بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

تحریکِ اسلامی کے دوسرے مرحلے میں جماعت کی تنظیم اور تربیت جس طرح پر کی گئی اسے ہم پچھلی اشاعت میں بہت اختصار کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ ابھی یہ مرحلہ کچھ اور دراز ہوتا اور ہمیں اپنے نظم کو پختہ اور اپنے کارکنوں کی تربیت کو مکمل کرنے کا پورا موقع مل جاتا۔ لیکن اگست ۱۹۴۷ء میں تشکیلِ جماعت کے ٹھیک چھ سال بعد، وہ قیامت نظیر انقلاب رونما ہو گیا جس کی آمد کے آثار دیکھ کر ہی ہمیں پہلے مرحلے کی تکمیل کا انتظار کئے بغیر اگست ۱۹۴۷ء میں دوسرے مرحلے کی طرف قدم اٹھا دینا پڑا تھا۔ اس قیامتِ صغریٰ نے ہمارے کام اور نظام پر دو حیثیتوں سے زبردست اثر ڈالا۔

اس کا پہلا اثر یہ ہوا کہ ملک کی سیاسی تقسیم نے جماعتِ اسلامی کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پاکستان اور ہندوستان، دونوں کے حالات اور مسائل اچانک ایک دوسرے سے اتنے مختلف ہو گئے کہ دونوں ملکوں میں ایک نظم، ایک پالیسی اور ایک رہنمائی کے تحت کام کرنا بالکل ناممکن ہو گیا۔ اگرچہ ان حالات کا کچھ نہ کچھ اندازہ ہمیں تقسیم سے پہلے بھی تھا۔ چنانچہ اپریل ۱۹۴۷ء کی تقریر مدراس میں اس طرف اشارہ بھی کر دیا گیا تھا کہ تقسیم کے بعد دونوں ملکوں میں ایک نظامِ جماعت قائم نہ رہ سکے گا، لیکن جب تقسیم فی الواقع رونما ہوئی تو ہمیں اپنے اندیشوں سے بھی کہیں زیادہ سخت حالات سے سابقہ پیش آیا، اور خبر رسانی کے ذرائع بحال ہوتے ہی پہلی فرصت میں ہم کو مسلم لیگ کی طرح یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ دونوں ملکوں کے نظامِ جماعت قطعی طور پر ایک دوسرے سے الگ کر دیے جائیں۔ یہ فیصلہ فروری ۱۹۴۸ء میں ہوا اور اس کے بعد جماعتِ اسلامی پاکستان کی ہر چیز، بجز عقیدے اور مقصد کے، جماعتِ اسلامی ہندوستان سے الگ ہو کر رہ گئی[1]۔

---

[1] اس جگہ یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہو گا کہ دونوں جماعتوں کی علیحدگی کے وقت جو ارکانِ جماعت پاکستان میں مقیم تھے یا ہجرت کر کے آ چکے تھے، ان کی تعداد ۳۸۵ ، اور جو ارکان ہندوستان میں رہ گئے تھے ان کی تعداد ۲۴۰ تھی۔ اس وقت سے پاکستان کے ارکان کی تعداد بڑھتے بڑھتے اب ۶۲۵ تک پہنچ چکی ہے۔

دوسرا اثر اس سیاسی انقلاب کا یہ ہوا کہ جماعت اسلامی پاکستان کو یک لخت توسیع اور عملی اقدام کے مرحلے میں داخل ہو جانا پڑا حالانکہ نظم اور تربیت دونوں کے لحاظ سے ابھی ہمیں اپنی تکمیل کے لئے بہت کچھ کرنا باقی تھا۔

اس فوری پیش قدمی کا فیصلہ جن وجوہ سے کیا گیا انہیں اُسی زمانہ میں جماعت کے اُن اجتماعات میں بیان کر دیا گیا تھا جو مارچ و اپریل ۱۹۴۸ء میں ہوئے تھے۔ مختصراً وہ وجوہ یہ تھے۔ ۱۹۴۷ء کا سیاسی انقلاب ہماری نگاہ میں محض ایک مصنوعی انقلاب تھا یعنی وہ کسی ذہنی، اخلاقی اور اجتماعی انقلاب کے نتیجے میں رونما نہیں ہوا تھا، بلکہ زیادہ تر خارجی حالات کے تغیّر اور دباؤ کے اثر سے واقع ہو گیا تھا۔ اُس کی پشت پر اگر کسی تعمیری قوت کی نشان دہی کی جا سکتی ہے تو وہ حد سے حد بس یہ ہے کہ ایک طرف انگریزی درسگاہوں اور محکموں کی تعلیم و تربیت سے مسلمانوں میں ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی تیار ہو چکی تھی جو ایک آزاد حکومت کے انتظام کا بار، بُرا یا بھلا کسی نہ کسی طرح اٹھا سکتے تھے۔ اور دوسری طرف مسلمانوں میں اپنی ایک آزاد حکومت قائم کرنے کی خواہش پوری طرح اُبھر آئی تھی جس نے خواص سے گزر کر عوام تک کو متحرک کر دیا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک حقیقی اور پختہ اور نتیجہ خیز سیاسی انقلاب پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں ہو سکتی تھیں۔ ان کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مسلمانوں کے سامنے اُس نظامِ زندگی کا ایک واضح تصور موجود ہوتا جس پر انہیں آزادی کے بعد اپنی حیاتِ قومی کا قصر تعمیر کرنا تھا، اور اُس تصور کے بارے میں ذہنی حیثیت سے وہ فی الجملہ یکسو ہوتے، کسی انتشارِ فکر اور پراگندگیٔ خیال اور اختلافِ متعارضہ میں مبتلا نہ ہوتے۔ یہ بھی ضروری تھا کہ مسلمان اخلاقی حیثیت سے اس حد تک صالح اور بالغ ہو چکے ہوتے کہ آزاد ہو جانے کے بعد وہ حکومتِ خود اختیاری کی ذمہ داریاں بآسانی اٹھا سکتے۔ یہ بھی ضروری تھا کہ مسلمانوں میں صبر، ضبط، نظم، باقاعدگی، محنت، تعاون، مواساۃ، امانت، فرض شناسی، احساس ذمہ داری، حدود کی نگہداشت، اور وحدت و اخوت کے وہ اوصاف موجود ہوتے جو ایک کامیاب اجتماعی زندگی کے لئے ضروری ہیں۔

اِن چیزوں کی کمی ہم اُسی وقت محسوس کر رہے تھے جب مسلمانوں میں اپنی مستقل حکومت کی خواہش ابھی

نئی نئی ابھر رہی تھی۔ ہم نے اس کمی کی طرف اُن لیڈروں کو توجہ دلائی جن کے ہاتھ میں مسلمان اپنی زمام کار دے رہے تھے، مگر انہوں نے اسے صدائے بے ہنگام سمجھا۔ ہم نے خود اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی، مگر ہمیں اُلٹا دشمن سمجھا گیا اور مسلمانوں کو ہم سے بدگمان کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی گئی۔ اس حد پر بھی معاملہ رُکا نہ رہا بلکہ دس سال تک مسلمانوں کی قومی تحریک اس انداز سے چلائی گئی کہ مسلمانوں کا ذہن پہلے سے زیادہ پراگندہ، ان کے اخلاق پہلے سے زیادہ خراب، اور ان کے اجتماعی اوصاف پہلے سے بھی زیادہ گئے گزرے ہو گئے۔ مختلف خیالات، عقائد، نظریات، اغراض اور مقاصد رکھنے والے عناصر کو جمع کر لیا گیا جو اسلام کا نعرہ بلند کرنے کے ساتھ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے رہے کہ مسلمانوں کا رہا سہا اسلامی تصور بھی دھندلا ہو گیا اور عین پاکستان بننے کے وقت بھی وہ کچھ نہ جانتے تھے کہ وہ کونسا اسلام ہو گا جس پر یہ نئی ریاست تعمیر کی جائے گی۔ ہم نے اس پراگندہ خیالی پر بار بار ٹوکا، مگر جواب میں اُلٹا اس بات پر فخر کیا گیا کہ ہم نے قوم کے سارے مختلف عناصر کو جمع کر کے رکھ دیا ہے۔ حالانکہ یہ عناصر ایک منفی جنگ کے لئے تو اکٹھے ہو سکتے تھے، مگر ایک ایجابی تعمیر کا مرحلہ آتے ہی ان کا منتشر اور متصادم ہو جانا بادی النظر میں یقینی تھا۔ ایسا ہی معاملہ اخلاقی اور اجتماعی حالت کا بھی تھا۔ قومی تحریک جس انداز پر چلائی جا رہی تھی اس نے مسلمانوں کو اپنی جگہ پر بھی نہ ٹھیرنے دیا کجا کہ انہیں کچھ اوپر اٹھایا جاتا۔ بدترین سیرت و اخلاق کے لوگ صحافت و قیادت پر قابض ہو گئے۔ ہر میدان میں غیر مسلموں سے مسابقت شروع ہو گئی۔ ہر بُرائی کا جواب کارِ ثواب سمجھ کر برائی سے دیا جانے لگا۔ یہاں تک کہ دونوں قومیں ایک دوسری کی ضد میں گرتے گرتے اسفل السافلین تک پہنچ گئیں۔

یہ سارے حالات ہمارے سامنے گزر رہے تھے اور ان کے نتائج کو ہم خوب جانتے تھے۔ اس لئے جس روز تقسیم ملک کا اعلان ہوا اسی وقت ہم نے سمجھ لیا کہ جیسی بری یا بھلی تعمیری سعی بھی آج تک ہم کر سکے ہیں اب اسی پر اکتفا کرنا ہو گا اور اس قوم کو سنبھالنے کی فوراً کوشش کرنی پڑے گی جو کسی واضح نصب العین کے بغیر اور کسی اخلاقی طاقت اور اجتماعی اصلاح کے بغیر یکلخت بااختیار ہو گئی ہے۔ اس فوری اقدام کی ضرورت کا احساس اُن حالات کو دیکھ کر اور بھی زیادہ شدید ہو گیا جو عین تقسیم کے وقت اور اس کے معاً بعد پیش آئے

ہندوستان کے بعض حصوں سے مسلمانوں کا خروج جس شان سے ہوا، پاکستان کے غیر مسلموں کی نکاسی جس طرح عمل میں آئی، غیر مسلموں کی چھوڑی ہوئی دولت کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا، اور مسلمان مہاجرین پاکستان میں جن حالات سے دوچار ہوئے، یہ سب کچھ ایک ایسا آئینہ تھا جس میں پوری قوم کی، اس کے عوام اور خواص کی اس کے لیڈروں اور پیشواؤں کی، اس کے حکام اور عمال کی، اس کے اہل دین اور اہل دنیا کی، غرض سب ہی کی اخلاقی اور اجتماعی تصویر بالکل برہنہ نظر آگئی۔ پھر اختیارات ہاتھ میں لیتے ہی ہماری قوم کے قائدوں نے، جو اب قائد ہی نہیں حاکم بھی تھے، ملک کے آئندہ نظام کے متعلق جیسی اُلجھی اُلجھی متضاد باتیں کرنی شروع کیں اور قوم جس طرح ابتدائی چند مہینوں میں ٹھنڈے دل سے ان کو سنتی رہی، اسے دیکھ کر صاف معلوم ہو گیا کہ اس وقت ایک بے شعور قوم کی باگیں ایک بے فکر گروہ کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ وقت خاموش بیٹھ کر تعمیری کام میں لگے رہنے کا نہیں ہے۔ اب اگر ایک لمحہ بھی ضائع کیا گیا تو بعید نہیں کہ جو لوگ منزل کا تعین کئے بغیر بے سوچے سمجھے چل پڑے تھے وہ یکایک کسی غلط نظریے کو اس نئی مملکت کی بنیاد قرار دے بیٹھیں اور پھر اس فیصلے کو بدلوانا موجودہ حالت کی بہ نسبت ہزار گنی زیادہ قربانیوں کے بغیر ممکن نہ ہے۔

خوش قسمتی سے اس زمانے میں متعدد آزمائشیں ایسی پیش آگئیں جن سے ہمیں تیسرے مرحلے کی طرف قدم بڑھانے سے پہلے یہ اندازہ کرنے کا موقع مل گیا کہ ہماری جماعت اپنی اخلاقی تربیت اور اپنے نظم کے اعتبار سے اس وقت فی الواقع کتنی طاقت رکھتی ہے اور آگے کے مراحل میں اس پر کس قدر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

ان میں سے پہلی آزمائش ان لوگوں کو پیش آئی جو مشرقی پنجاب کے ہنگامۂ قیامت سے گزر کر پاکستان پہنچے تھے۔ ہم نے فرداً فرداً ان کے حالات کا تفحص کیا اور یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ صرف ارکان جماعت ہی نہیں، جماعت کے ہمدرد اور متاثرین تک ہمت و جرأت اور صبر و استقلال کے ساتھ اپنا فرض انجام دیکر آئے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی لیگ کے لیڈروں کی طرح بھاگنے والوں میں سب سے آگے نہ تھا، کسی نے بزدلی نہیں دکھائی، کسی نے خود غرضی سے کام نہیں لیا۔ ہر ایک اپنی اپنی جگہ خطرے اور مصیبت میں اپنے بھائیوں کے ساتھ رہا۔ ہر ایک نے اپنی استطاعت کی حد تک مظلوم مسلمانوں کو بچانے، سنبھالنے اور منظم طریقے سے نکالنے

کی کوشش کی بہت سوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کام کیا۔ اور اکثر و بیشتر اپنے علاقوں سے اس وقت نکلے جب وہ مسلمانوں سے خالی ہو چکے تھے۔

دوسری آزمائش مغربی پاکستان میں پیش آئی جہاں سے غیر مسلم نکل رہے تھے۔ یہاں بھی ہم نے پوری دقتِ نظر کے ساتھ جماعت کے رویہ کا جائزہ لیا، اور یہ معلوم کر کے ہمیں اطمینان ہوا کہ جماعت کے ارکان ہی نہیں ہمدردوں اور متاثرین تک میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے کشت و خون یا لوٹ مار میں کوئی حصہ لیا ہو بعض مقامات پر تو پوری پوری بستیوں میں اگر لوٹ سے بچنے والے کچھ لوگ پائے گئے تو وہ صرف وہی لوگ تھے جنہوں نے جماعتِ اسلامی کا اثر قبول کیا تھا۔ متعدد مقامات پر جماعت کے لوگوں نے اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر بھی غیر مسلموں کو پناہ دینے میں تامل نہ کیا۔ اور کوئی ایک اطلاع بھی ہمیں ایسی نہیں ملی کہ جماعت سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کا دامن کسی غیر مسلم عورت کی آبرو ریزی سے آلودہ ہوا ہو، حالانکہ اس کے مواقع کی اُس وقت کمی نہ تھی۔

تیسری آزمائش اُس وقت پیش آئی جب جماعت کے کارکنوں کو پناہ گزینوں کے کیمپوں میں کام کرنے کی دعوت دی گئی۔ اس آخری آزمائش نے ہمیں پوری طرح مطمئن کر دیا کہ اپنی تمام کوتاہیوں اور خامیوں کے باوجود جماعتِ اسلامی کے پاس اِس وقت مردانِ کار کا ایک ایسا گروہ تیار ہے جس کے اخلاق اور نظم پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ لاہور، کراچی، پشاور، سیالکوٹ، سرگودھا، لائل پور، چنیوٹ اور ملتان میں مجموعی طور پر جماعت کے تقریباً سات سو ارکان اور ہمدردوں نے پناہ گزینوں کی خدمت کا کام کیا۔ ان کارکنوں میں بہت سے وہ لوگ تھے جو خود پناہ گزیں کی حیثیت سے آئے تھے اور ابھی کہیں جمنے بھی نہ پائے تھے۔ پھر بھی وہ خدمت کی پکار پر لبیک کہنے سے باز نہ رہے۔ ان لوگوں نے ایثار، جفاکشی، ہمدردی، دیانت، امانت، عفت اور نظم و ضبط کا پورا امتحان دیا، اور نتیجہ میں کم از کم جو چیز ثابت ہوئی وہ یہ تھی کہ ان اوصاف میں نہ حکومت کے عمال ان سے کوئی نسبت رکھتے ہیں اور نہ قومی جماعتوں کے کارکن۔ جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے سات سو آدمیوں میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا جو ناقابلِ اعتماد ثابت ہوا ہو۔ اور جہاں تک نظم کا تعلق ہے دو تین خفیف شکایتوں سے زائد کوئی چیز ہمارے علم میں نہیں آئی۔

یہ تھا وہ سرمایہ جسے لیکر ہم تیسرے مرحلے میں داخل ہوئے۔ اس مرحلے میں ہمارا پہلا قدم یہ تھا کہ براہ راست عوام تک پہنچ کر ان کے سامنے اُس اسلامی ریاست کے تصور کو ایک صاف اور متعین صورت میں پیش کریں جس کے صرف نعرے ہی نعرے انہوں نے اُس وقت تک سنے تھے اور جس کے فہم کے معاملہ میں ان کے لیڈروں نے ان کے ذہن کو اُلجھانے کے سوا کوئی دوسری خدمت اُس وقت تک انجام نہ دی تھی۔ یہ کام جنوری ۱۹۴۸ء میں شروع کیا گیا اور شاید ہم بلا شائبۂ مبالغہ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ قریبی دور کی تاریخ میں پہلی مرتبہ شہری اور دیہاتی عوام کو وسیع پیمانے پر اسلامی نظام زندگی کے ایک جامع اور واضح تصور سے روشناس کرانے کی کوشش کی گئی۔ اس کام کے لئے صرف لٹریچر کی اشاعت اور مجلسی ملاقاتوں ہی پر اکتفا نہ کیا گیا، جیسا کہ جماعت اسلامی کا سابق طریق کار تھا، بلکہ جماعت کا ہر وہ رکن جو ذمہ دارانہ طریقہ سے بول سکتا تھا، تقریر کا مجاز کر دیا گیا اور پاکستان کے گوشے گوشے میں جلسے کر کے عوام کو یہ بتایا گیا کہ آزاد ہو جانے کے بعد اب مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمہاری ذمہ داریاں کیا ہیں، اسلام جس کے تم معتقد ہی نہیں عاشق بھی ہو، تمہیں کیا نظام زندگی دیتا ہے، اور وہ اسلامی ریاست فی الواقع کس قسم کی ریاست ہے جس کے قیام کی خاطر تم نے اتنی بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اس کے ساتھ ملک کے کارفرما اور اہل دماغ طبقے کو بھی خطاب کیا گیا اور ان کو نہ صرف علمی حیثیت سے یہ بتایا گیا کہ ایک حقیقی اسلامی ریاست کے خدوخال کیا ہیں، بلکہ عملی حیثیت سے اس کو وجود میں لانے کی تدابیر بھی پیش کی گئیں اور ہر اُس حجت کو قطع کرنے کی کوشش کی گئی جو اس کے خلاف عذر کے طور پر سامنے لائی جا سکتی تھی۔ اس غرض کے لئے ۱۹۴۸ء میں جو چیزیں شائع کی گئیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ اسلام کا نظام حیات،

۲۔ اسلامی قانون اور پاکستان میں اس کے نفاذ کی عملی تدابیر،

۳۔ اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق،

۴۔ آزادی کے اسلامی تقاضے،

۵۔ مطالبۂ نظام اسلامی۔

دوسرا قدم جو پہلے قدم کے ساتھ ہی اٹھا دیا گیا، یہ تھا کہ عوام کے سامنے اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں کا ایک چہار نکاتی، جامع اور مختصر فارمولا پیش کیا گیا، اور رائے عام کو اس کے حق میں اس حد تک ہموار اور منظم کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ ایک قومی مطالبے کی حیثیت اختیار کرے اور ملک کی دستور ساز اسمبلی اسے قبول کرنے پر مجبور ہو جائے۔ یہ قدم فوری طور پر اٹھا دینا اس لئے ضروری تھا کہ ملک کے سربراہ کار اس وقت صریح طور پر ایک غیر دینی (سیکولر) ریاست کے نظریہ کی طرف مائل تھے اور اس کے اعلان سے صرف ایک جھجک ان کو روکے ہوئے تھی۔ ہم نے محسوس کیا کہ اگر اس وقت ذراسی غفلت بھی برتی گئی تو یہ موقع پاتے ہی آئینی طور پر ایک غیر اسلامی ریاست کی بنا رکھ دیں گے اور پھر اسے اسلامی ریاست میں تبدیل کرنا اس قدر دشوار ہوگا کہ جو کچھ آج تھوڑی سی قربانیوں سے ہو سکتا ہے وہ ہزاروں آدمیوں کے پھانسی پر لٹکنے سے بھی مشکل ہی ہو سکے گا۔

اس مہم کی ابتدا فروری ۱۹۴۸ء میں کی گئی اور چند مہینوں کے اندر اندر ہمارا مرتب کردہ مطالبہ پاکستان کی پوری مسلم قوم کا متفقہ مطالبہ بن گیا۔ برسراقتدار گروہ اس مطالبے کا نہ انکار کر سکتا تھا اور نہ اس کڑوی گولی کو حلق سے اتارنے کے لئے تیار تھا۔ کچھ مدت تک وہ عالم حیرت میں اس پھیلتی ہوئی آگ کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ویسی ہی ایک چال چلی جیسی بزدل اور پست اخلاق لوگ ہمیشہ سے چلتے آرہے ہیں۔ وہ چال یہ تھی کہ ایک گھڑی گھڑائی بنی ہوئی سازش سے راقم الحروف پر زبردستی یہ الزام چسپاں کیا گیا کہ وہ "جہاد کشمیر کو حرام" کہتا ہے اور جن لوگوں نے وہاں لڑ کر جان دی ہے ان کی موت کو "حرام موت" قرار دیتا ہے۔ اس الزام کو پوری قوت کے ساتھ اخبارات اور اشتہاروں اور سرکاری مولویوں کے ذریعہ سے پھیلایا گیا، نت نئے جھوٹ پوری بے شرمی اور بے باکی کے ساتھ تصنیف کر کرکے میرے اور جماعت اسلامی کے خلاف پھیلائے گئے۔ اس جھوٹ کو فروغ دینے کے لئے جماعت کے اخبارات کو بند کیا گیا تاکہ کوئی تردیدی بیان پبلک تک نہ پہنچ سکے، اور اس طرح چند مہینے تک فضا کو خوب ہموار کر لینے کے بعد اکتوبر ۱۹۴۸ء میں مجھے اور میرے دو ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا ــــ اس سازش کی شرمناک داستان پوری تفصیل کے ساتھ جماعت کے شائع کردہ پمفلٹ "مودودی کی نظر بندی کیوں؟" میں بیان کی جا چکی ہے ــــ بظاہر یہ بڑی ہی زبردست چال تھی۔ دیکھنے والے سمجھ رہے تھے کہ اس کے (بقیہ بر صفحہ ۳۴)